شاہ ولی اللہ کی نظر میں

مسلمانوں کے معاشی مسائل کا حل

قسط ۲ — طفیل احمد قریشی

اسلام چونکہ قیصر و کسریٰ (سرمایہ دارانہ) کے نظام کے خاتمہ کے لئے آیا تھا، اس لئے اس مسئلے پر مسلم علماء نے کافی بحثیں کی ہیں تاکہ ایسی صورت پیدا نہ ہو کہ لوگ بڑی بڑی زمینوں کے مالک ہو کر خود ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھیں اور عیش کریں۔ دوسرے انسانوں کو ایک طرح کا غلام بنا لیں۔ اس لئے ہر عالم نے اس اہم مسئلے پر اپنی اپنی رائے بیان کی ہے۔

ان میں کچھ لوگوں کا خیال یہ ہے کہ چونکہ آنحضرت صلعم نے خیبر کے یہودیوں کو زمین اس شرط پر فائدہ اٹھانے کے لئے دی تھی کہ اس میں جو بھی پیداوار ہو اس کا وہ نصف سرکاری خزانے (بیت المال) میں ادا کریں گے۔[1] اور یہ کہ آنحضرت صلعم کے زمانے میں ایسی مثالیں ملتی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ زمین کے مالک اور کاشت کار کے درمیان اس قسم کا معاہدہ ہو سکتا ہے۔[3] لیکن کچھ علماء اسلامی نظام سرمایہ کی روح کے پیش نظر اسلامی ترغیبات اور آنحضرت صلعم کے اقوال کی روشنی میں اس قسم کے معاہدہ کے قائل نہیں تھے۔ ان کے خیال میں اس طرح پھر زمینداری کا نظام پھلے پھولے گا اور قیصر و کسریٰ کے دور کی خرابیاں مسلمانوں میں بھی پیدا ہو جائیں گی جس سے زراعت کے بارے میں اسلامی روح کو نقصان پہنچے گا۔ چنانچہ یہ علماء آنحضرت ؐ کے اس ارشاد کو دلیل مانتے ہیں جس میں آپ نے فرمایا کہ "کسی شخص کے پاس زمین ہو تو اس کو نہ بٹائی (مضاربت) پر دے اور نہ نقد لگان (ٹھیکہ یا اجارہ) پر دے۔ اور تم میں سے جس کے پاس بھی زمین ہو یا تو وہ خود کاشت کرے یا اپنے مسلمان بھائی کو کاشت کے لئے مفت دے دے"[2]
ایک دوسری جگہ آپ صلعم نے فرمایا کہ "کسی کے پاس زمین ہو تو اس کو چاہیئے کہ خود کاشت کرے یا دوسرے کو مفت کاشت کے لئے دے دے۔ اور اگر دونوں میں سے کوئی بات نہیں کرنا چاہتا زمین کو روک لے"[4]

شاہ ولی اللہؒ کے سامنے قرآن و حدیث کی تعلیمات بھی تھیں، مسلم علماء کے افکار بھی اور مسلما

---

[1] بخاری کتاب المزارعہ ۔ [2] ابوداؤد و نسائی ۔ [3] ترمذی باب الزکوٰۃ و بخاری باب المزارعہ

[4] مسلم باب ...

لے ماضی اور حال خاص طور پہ ہندوستان کے مسلمانوں کی حالت بھی۔ آپ نے کاشت کاری کے
ن معاہدوں کو "معاونت" (امداد باہمی) قرار دیا[1]۔ جن کی رُو سے کاشت کار اور زمین کا مالک نفع میں
رابر کے شریک ہو جاتے ہیں۔ اور بتایا کہ جب تک دونوں میں "عدل عمرانی" (معاشرتی انصاف
لی بنیاد پہ تعاون (معاونت) سے دونوں کی روزی بہتر طور پہ چلے گی[2] اور جب کسی طرف سے بھی ا
ہیں خرابی واقع ہو گی تو انسانوں کی معاشرتی زندگی میں فساد برپا ہو جائے گا۔ اس لئے اس "معاد
لی شرط یہ ہے کہ کوئی بھی (زمین کا مالک ہو یا کاشت کار) کسی کو تنگ نہیں کرے گا[3]۔ کیونکہ مقصد کاشت
بنا یا زمین کا مالک بننا نہیں ہے بلکہ خدا نے جو مال (زمین وغیرہ) جائز کر دیا ہے اس سے فائدہ اُٹھا
ہے[4]۔ ملکیت (زمین) سے مراد صرف یہ ہے کہ زمین کے مالک کو دوسروں کی نسبت (جن کی وہ ز
ملکیت نہیں ہے) نفع حاصل کرنے کا حق زیادہ ہے۔ ورنہ حقیقت میں سبھی لوگ اس فائدے میں شر
ہیں[5]۔ چنانچہ زمین کو ان مختلف قسم کے معاہدوں (مزارعت، مضاربت اور اجارہ وغیرہ) کے
ان اُصولوں کو سامنے رکھ کر دینے میں شاہ ولی اللہؒ کے نزدیک کوئی حرج نہیں ہے۔

زمینداری اور جاگیرداری کا وہ نظام جس میں کاشت کاروں پر ظلم ہوتا ہے، شاہ صاحبؒ کے ن
باطل اور قابلِ نفرت نظام ہے اس کو بار بار شاہ صاحبؒ قیصر و کسریٰ کے نظام سے یاد کرتے ہیں
اس زمینداری نظام کی شاہ صاحبؒ جو خصوصیات بیان کرتے ہیں اس میں بڑی بڑی باتیں یہ ہیں کہ
عیش و آرام میں رہنے لگتا ہے۔ اس عیش کوشی کے لئے وہ اپنے مزارعین پر "رواج" اور "رسوم" اور
ناموں سے بھاری ٹیکس لگا دیتا ہے تاکہ مزارعین کے پاس دولت کم سے کم رہے اور وہ پیداوار کا اکثر حصہ
گھر لے جائے ان ٹیکسوں کو وہ سختی سے وصول کرتا ہے۔ اگر وہ پھر بھی ادا نہ کریں تو ان سے لڑائی جھ
کرتا ہے اور طرح طرح کی تکلیفیں دیتا ہے۔ ان کو حیوانوں کی طرح سمجھنے لگتا ہے اور اپنی فصلوں کو پانی د
فصل اُگانے اور کاٹنے کے لئے استعمال کرتا ہے اُنہیں صرف اس قدر دیتا ہے کہ وہ زندہ رہ سکیں
آرام بھی اتنا ہی دیتا ہے کہ وہ پھر کام کرنے کے لئے تازہ دم ہو سکیں[6]۔

ان باتوں کو بیان کرتے ہوئے شاہ صاحبؒ اپنے زمانے کے ہندوستان کی حالت کا بھی ذکر کرتے :
بتاتے ہیں کہ یہی حالت اس وقت ہندوستان کی ہے بلکہ اتنی بدتر ہے کہ قیصر و کسریٰ کا زمانہ بھی اس کے

---

[1] حجتہ اللہ البالغہ جلد دوم ص۲۱۱۔ [2] ایضاً۔
[3] حجتہ اللہ البالغہ جلد دوم ص۲۱۱۔ [4] ایضاً۔ [5] ایضاً ص۲۱۱۔ [6] ایضاً جلد اوّل ص۲۲۵۔

کچھ نہیں[1]۔ اس لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ اس قسم کے نظام کو ختم کیا جائے۔ اور صحیح اسلامی (کاشتکاری) نظام لایا جائے[2]

تجارتی و صنعتی وسائل | انسان نے جب کھیتی باڑی شروع کی تو اُسے اوزاروں کی ضرورت پڑی اور جب فصلیں تیار ہو گئیں تو پھلوں اور اناج کو اس نے اپنی ضرورتیں پوری کرنے کے لئے استعمال کرنا شروع کیا۔ اور چیزوں کے تبادلے کرنے لگا۔ چیزوں کے لین دین سے تجارت کا آغاز ہوا۔ اپنی ضرورتیں پوری کرنے کے لئے انسان کو جن اوزاروں اور استعمال کی چیزوں کی ضرورت پڑی ان کی بدولت مختلف صنعتیں پیدا ہوئیں[3]۔ اس طرح تجارت و صنعت بھی دولت پیدا کرنے کا اہم ذریعہ بن گئے۔

شاہ ولی اللہؒ کا خیال ہے کہ انسان جس رفتار سے ترقی کرتا رہا، اس کی ضرورتیں بھی بڑھتی گئیں۔ ان بڑھتی ہوئی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے تجارت اور صنعت سے بھی انسان نے زیادہ سے زیادہ دولت کمانی شروع کر دی اور ایسے طریقے ایجاد کر لئے جن کی بدولت دولت کی پیداوار کے ان وسائل میں بھی مزدوروں، دستکاروں اور معمولی لوگوں کو غلام بنانا شروع کر دیا گیا۔ ان لوگوں کی زندگیاں دوسروں کے لئے کام کرنے تک محدود ہو کر رہ گئیں۔ اس کا صلہ سرمایہ دار صرف اتنا دیتا تھا کہ وہ زندہ رہ سکیں اور اس کے لئے جانوروں کی طرح کام کرتے رہیں[4]۔

تجارت و صنعت کا بنیادی اصول | تجارت ہو یا صنعت، جب دو انسان اپنی ضرورتیں پوری کرنے اور زندہ رہنے کے لئے کام کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو ایک دوسرے سے معاہدہ کرتے ہیں۔ معاہدہ کرنے والے دونوں انسان دو الگ الگ فریق ہوتے ہیں۔ تجارت اور صنعت کو صحیح طریقوں پر چلانے کے لئے دونوں فریقوں کا معاہدے کی پابندی کرنا ضروری ہے۔ شاہ صاحبؒ کا خیال ہے کہ اگر ان دونوں فریقوں میں سے کوئی ایک بھی دوسرے پر زیادتی کرنے لگے تو معاشرے میں زندگی گزارنے کا توازن (وزن) بگڑ جاتا ہے اور اس میں ظلم اور فساد کی ابتدا ہو جاتی ہے جس سے قیصر و کسریٰ کا نظام پیدا ہو جاتا ہے۔

تجارت و صنعت کی مختلف صورتوں میں انسان جو معاہدے ایک دوسرے سے کرتے ہیں، شاہ صاحبؒ کی رائے میں اس کا دارومدار "اصولِ معاونت" (ایک دوسرے کی مدد) اور "عدلِ عمرانی" پر ہے۔ اس اصول کی رُو سے نہ تو کوئی شخص کسی کا نوکر ہے اور نہ کوئی آقا۔ نہ ہی کوئی دستکار صرف مزدور ہے اور صنعت کار مالک اور سیٹھ بلکہ دونوں ایک دوسرے کے مددگار ہیں اور دونوں کا ایک دوسرے سے معاہدہ ہوتا ہے۔ تجارت و

[1] ایضاً۔ [2] فیوض الحرمین ص ۸۹ بحوالہ شاہ ولی اللہؒ کے سیاسی مکتوبات۔ ص ۴۲-۵۰۔
[3] حجۃ اللہ البالغہ جلد اول ص ۸۹-۸۸۔ [4] ایضاً ص ۲۲۵۔

صنعت میں ان معاہدوں کی مختلف صورتیں ہوتی ہیں۔

تجارت | تجارت میں انسان ایک دوسرے سے جو معاہدہ کرتا ہے، ان کا شاہ صاحبؒ نے تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ ان کے لئے خاص فقہی (قانونی) اصطلاحیں استعمال کی ہیں۔ اور تجارت کی مختلف صورتیں بنائی ہیں۔ جن میں چند مندرجہ ذیل ہیں:۔

۱۔ ایک شخص کاروبار میں پیسہ لگاتا ہے اور دوسرا اس کاروبار کے لئے محنت کرتا ہے۔ نہ پہلا شخص مالک ہے اور دوسرا مزدور، بلکہ دونوں ایک دوسرے کے مددگار ہیں اور کاروبار سے ہونے والے نفع میں برابر کے شریک ہیں۔ اس طریقہ کو مضاربت کہتے ہیں۔[1]

۲۔ دوسری صورت یہ ہے کہ دو آدمی کاروبار کے لئے سرمایہ بھی مہیا کریں اور مل کر کام بھی کریں۔ اس طرح وہ نفع میں برابر کے شریک ہوں گے۔ یہ طریقہ پہلے طریقے سے بہتر ہے۔ تجارت کے اس طریقے کو مفاوضت کہتے ہیں۔[2]

۳۔ تیسری صورت یہ ہے کہ سرمایہ مختلف لوگوں کا ہو یا پورے طور پہ اجتماع (یعنی حکومت) کا اور اس سے مختلف تجارتی ادارے بنا دیئے جائیں۔ ان تجارتی اداروں میں جو لوگ کام کریں منافع ان سب میں تقسیم کر دیا جائے۔ یہ طریقہ پہلے دونوں طریقوں سے زیادہ مؤثر اور فائدہ مند ہے اس طریقہ تجارت کو شاہ ولی اللہؒ شرکت الوجوہ کہتے ہیں۔[3]

ان صورتوں کے علاوہ شاہ صاحبؒ نے اور بھی کئی صورتوں پر بحث فرمائی ہے۔

صنعت | تجارت کی طرح صنعت میں بھی "اصولِ معاونت" (امدادِ باہمی کا اصول) بنیادی حیثیت ... اس اصول کی بنیاد پہ مالک اور مزدور میں وہ فرق نہیں رہتا جس سے سرمایہ دارانہ (قیصر و کسریٰ کا) ... ہو۔ صنعت کی جن صورتوں پر شاہ صاحبؒ نے بحث فرمائی ہے ان میں ایک دو صورتیں درج ذیل ہیں:۔

... شخص کسی صنعتی پیشے میں سرمایہ لگائے اور جو لوگ اس پیشے میں کام کریں، دونوں فائدہ اٹھانے میں شریک ہیں۔ اور دست کاروں کو اتنا فائدہ ملنا ضروری ہے جس سے ان کی زندگی کی بنیادی ضرورتیں اچھی طرح پوری ہو جائیں۔ اور وہ خوشحال زندگی بسر کریں۔[4] اگر ایسا نہ ہوا تو قیصر و کسریٰ اور اس نظام میں کوئی ... نہیں رہے گا۔

۔ دوسری صورت بھی ہے وہ یہ کہ ایک ہی پیشے کے دست کاروں کا ایک صنعتی ادارہ ہو۔ اس طرح

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ جلد دوم صفحہ ۲۴۲۔ [2] ایضاً صفحہ ۲۴۲۔ [3] ایضاً صفحہ ۲۴۳۔ [4] ایضاً صفحہ ۴۴۔۲۲۷۔

مختلف صنعتی ادارے قائم ہوں۔ ان کے لئے سرمایہ (حکومت کی طرف سے) مہیا کیا جائے اور پھر اصل سرمائے اور اس کے منافع کے حساب کے بعد) منافع ان دست کاروں میں برابر تقسیم کر دیا جائے۔ صنعت کا یہ طریقہ "شرکت الصنائع" کہلاتا ہے[1]۔ یہ طریقہ عمرانی عدل اور اصولِ "معاونت" کے زیادہ قریب ہے۔ اس سے معاشرے میں فوری خوشحالی لائی جا سکتی ہے۔

بلا محنت کے کاروبار | صنعت و تجارت میں شاہ ولی اللہؒ کے نزدیک بنیادی اصول "معاونت" (مراد باہمی) ہے۔ اس میں "محنت" کا کوئی نہ کوئی پہلو ضرور موجود ہوتا ہے۔ لیکن ایسے کاروبار جن میں محنت بالکل دخل نہ ہو یا جن کے ذریعے دولت صرف چند لوگوں میں جمع ہو کر رہ جائے خدا کی زمین میں فساد کا باعث ہیں۔ ان سے "عدل عمرانی" (معاشرتی انصاف) باقی نہیں رہتا۔ کیونکہ کچھ لوگ تو عیش و آرام کی زندگی گزارتے ہیں اور کچھ کی زندگی جانوروں کی طرح گزرتی ہے اور ان کی بنیادی ضرورتیں بھی پوری نہیں ہوتیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ملامست، منابذۃ اور بیع صفاء کاروبار کی ایسی صورتیں تھیں جن میں "معاونت" کا تصور نہیں تھا۔ ان کی بنیاد اس اصول پر تھی کہ کسی نہ کسی بہانے لوگوں کے مال پر ہاتھ صاف کیا جائے اور بغیر کسی "محنت" کے دولت حاصل کی جائے۔ جوا، لاٹری، ریس وغیرہ اس دور میں اسی قسم کے کاروبار ہیں۔ شاہ صاحب نے ان کی بے پناہ مخالفت کی ہے[2]۔

دولت کے ذریعے بغیر محنت کئے دگنی چوگنی دولت پیدا کرنے کو ربا کہتے ہیں۔ جب کسی شخص کو کسی ضرورت کے لئے رقم کی "احتیاج" ہوتی ہے تو لوگ قرض کے طور پر اسے کچھ رقم دے دیتے ہیں اور پھر وہ رقم بڑھتی ہی رہتی ہے اور دو گنی تگنی ہو جاتی ہے جس سے بے چارے مقروض کا چھٹکارا پانا مشکل ہو جاتا ہے۔ شاہ صاحب کے خیال میں بلا محنت کئے اس طرح مال کے ذریعے مال اکٹھا کرنا درست نہیں۔ اس سے معاشرے میں فساد اور دشمنی پھیلتی ہے۔ اور بہت سی معاشرتی برائیاں پیدا ہوتی ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ اگر بغیر محنت کے اس قسم کے دولت کمانے کے ذریعے پھیلنے لگیں تو پھر زراعت اور صنعت پر اس کا بُرا اثر پڑتا ہے[3]۔

تجارتی بدعنوانیاں | تجارت و صنعت میں سب سے اہم چیز نرخ ہیں۔ ان کا عام لوگوں

۱؎ حجۃ اللہ البالغہ جلد ۱ صفحہ ۲۴۳ ۔ ۲؎ ایضاً صفحہ ۲۱۶ ۔ ۳؎ ایضاً صفحہ ۲۱۸ ۔

ل خوشحالی یا بدحالی پر گہرا اثر پڑتا ہے۔ چیزیں سستی ہوں گی تو عام لوگ انہیں آسانی سے خرید سکیں گے اور ان کی روزمرہ کی ضرورتیں آسانی سے پوری ہوں گی۔ لیکن اگر نرخ بڑھ جائیں تو اس سے عام لوگوں کے خریدنے کی قوت کم ہو جائے گی۔ دوکانوں اور کارخانوں میں پوری طرح "محنت" کے باوجود ضروریاتِ زندگی سے وہ محروم ہو جائیں گے جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ ان کی زندگی کا معیار گر جائے گا۔ لیکن دوسری طرف تاجر اور صنعت کار خوب فائدہ اٹھائیں گے اور دولت چند لوگوں کی طرف سمٹنا شروع ہو جائے گی اس طرح امیر، امیر تر ہونا شروع ہو جائیں گے اور غریب، غریب تر۔ اس قسم کی صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ خریدار اور فروخت کرنے والے کے درمیان "عدل" (انصاف) قائم کیا جائے۔ ایسا انصاف جس سے تجارتی بدعنوانیاں ختم ہو جائیں اور کسی کو کسی بھی طریقے سے نقصان نہ پہنچے۔ [1] شاہ ولی اللہؒ کی رائے یہ ہے کہ معاشرے میں تاجر، صنعت کار اور خریداروں کے درمیان اس انصاف کے قائم کرنے کے باوجود بھی اگر تجارتی بدعنوانیاں پائی جائیں اور لوگ ان بدعنوانیوں کو محسوس کرنے لگیں تو پھر اس قسم کے تجارتی نظام کا بدلنا اور ان بدعنوانیوں کا فوری خاتمہ کرنا چاہیے۔ اس لئے کہ اگر ایسا نہ کیا گیا تو ملک تباہ و برباد ہو جائے گا۔ [2]

مال و دولت کا ذخیرہ صنعت و تجارت میں جو چیز سرمایہ دارانہ (قیصر و کسریٰ) کے نظام کو قوت پہنچاتی ہے وہ مال و دولت کا ذخیرہ کرنا ہے۔ اس کی دو صورتیں ہیں۔

۱۔ تجارتی اور صنعتی مال کو خریداروں تک پہنچانے کی بجائے صرف اس لئے روکنا کہ اس کے دام بڑھ جائیں تو فروخت کیا جائے۔ اس طرح "مال" روکے رکھنے کو احتکار کہتے ہیں۔

۲۔ تجارت، صنعت یا زراعت سے جو روپیہ، سونا، چاندی وغیرہ "سرمایہ" حاصل ہو اس کو اس لئے عرصے تک جمع رکھنا کہ یہ دولت ہمارے پاس اکٹھی ہوتی رہے۔ اور اس سے لوگ فائدہ نہ اٹھائیں اور اس کی گردش (تجارتی یا صنعتی کاروبار کی صورت میں) نہ ہو۔ اس طرح "دولت" کے روکنے کو اکتناز کہتے ہیں۔

اسلام نے ان دونوں صورتوں کی ہر شکل کو حرام قرار دیا ہے۔ شاہ صاحبؒ کا خیال ہے کہ قیصر و کسریٰ یعنی جاگیردارانہ نظام کی جڑ بھی دو صورتیں ہیں۔ پہلی صورت یعنی احتکار میں تاجر و صنعت کار کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ اس کو جائز منافع کی بجائے کافی منافع ملے اور وہ راتوں رات "دولت مند" بن جائے۔ دوسری صورت یعنی اکتناز میں اس کی نیت یہ ہوتی ہے کہ یہ دولت اس کا اپنا حق ہے۔ چاہے جمع کرے چاہے اپنی ذات پر خرچ کرے یا

[1] حجۃ اللہ البالغہ جلد دوم ص ۲۳۵۔ [2] ایضاً۔

کاروبار میں لگائے۔ وہ اس دولت کا مالک (سرمایہ دار) ہے ـــ تاجر اور صنعت کار کی انہی خواہشوں کو سامنے رکھتے ہوئے شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے احتکار اور اکتناز پر کافی بحث کی ہے۔ اور اس قسم کے رجحان پر کڑی تنقید کی ہے۔ احتکار کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ نفع حاصل کرنے کے لئے تاجر دو صورتیں اختیار کرسکتا ہے۔ ایک تو یہ کہ مال روک لے اور جب مال کی کمی کی وجہ سے بازار میں نرخ بڑھ جائے تو فروخت کرے۔ دوسری صورت یہ کہ وہ کم سے کم نفع میں مال فروخت کرے۔ پھر لائے اور پھر فروخت کرے۔ یعنی "کم نفع" اور "فوری فروخت" کے اصول کو اپنائے [1]

ان دونوں صورتوں سے معاشرے میں لوگوں پر جو اثر ہوگا، اس کا ذکر کرتے ہوئے شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ "کم نفع اور فوری فروخت" کا اصول شہری زندگی کی بہتری کے عین مطابق ہے اس سے لوگ (عوام) پھلیں پھولیں گے خوشحال ہوں گے [2] جہاں تک دوسری صورت کا تعلق ہے، یعنی تجارت وصنعت کا "مال روکو اور زیادہ نفع میں فروخت کرو"۔ اس سے کھلم کھلا یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ لوگوں کو نقصان پہنچایا جاتا ہے اور ملکی نظام میں خلل ڈالا جائے [3] ظاہر ہے اس قسم کی صورت ملک کے لئے تباہ کن ہے۔ اس میں لوگوں کی بھلائی کے بجائے ان سے دشمنی کا پہلو نکلتا ہے جس سے قیصر و کسریٰ کا نظام مضبوط ہوتا ہے اور "عدل عمرانی" ختم ہو جاتا ہے ـــــ تجارت وصنعت میں ان غلط قسم کے طریقوں کی حضرت شاہ ولی اللہؒ سخت مذمت کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ ایسے سب طریقے حرام اور باطل ہیں۔ اور یہ ایسا ہی ہے کہ لوگوں سے ان کا مال چھین لیا جائے [4] ـــــ اکتناز پر بحث کرتے ہوئے شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ دس بیس درہم (بیس تیس چالیس روپے) اور گھر کی ضرورت کا سامان، استعمال کی چیزیں اور رات دن کاروبار کے لئے استعمال ہونے والی رقم کنز (دولت کا ذخیرہ) نہیں ہیں [5]۔ لیکن جب احتکار کی صورتیں عام ہونے لگتی ہیں اور بھاری منافع اور دولت سمٹ کر چند افراد کے ہاتھوں میں جمع ہونا شروع ہوجاتی ہے تو اس سے ایک ایسا نظام جنم لے لیتا ہے جس سے اکتناز (دولت کا ذخیرہ کرنا) خودبخود پیدا ہوجاتا ہے۔ جو انسانوں میں فساد اور معاشرے میں برائیوں کی بنیاد بنتا ہے۔

[1] حجۃ اللہ البالغہ جلد دوم ص ۲۲۸-۲۲۹ ۔ [2] ایضاً ۔ [3] ایضاً ص ۲۲۹ ۔ [4] ایضاً ص ۲۱۰ ۔ [5] ایضاً ص ۱۲۴